چٹائی

اور

نانی، تم روز خط لکھنا

چٹائی

محمد مجیب الدین
آرٹ کے. پی. ریجی

نانی، تم روز خط لکھنا

ڈو. سرسوتی
آرٹ مہیش بلیگا

eklavya
Anveshi

چٹائی

محمد مجیب الدین

آرٹ

کے. پی. ریجی

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم. اے. معید

eklavya

Anveshi

موسم گرما کی ایک دوپہر معمول کے مطابق میں اپنے دوستوں کے ساتھ درگاہ کے احاطہ میں موجود ایک بڑے املی کے درخت کے نیچے گولیاں کھیل رہا تھا۔ یہ درخت ہمارا پسندیدہ درخت تھا جو گھنا، سایہ دار، اور وسیع رقبہ کو گھیرا ہوا تھا، جس کی پیڑ کے قریب ہی ہم گولیوں کا حلقہ بناکر کھیلا کرتے تھے۔

اس درخت کے نیچے کھیلنا ہمیں اس لیئے بھی بہت پسند تھاکیونکہ یہ درگاہ کے قریب تھا اور اکثر عقیدت مند جو درگاہ کی زیارت کیلیئے آتے، فاتحہ کے بعد وہاں موجود بچوں میں میٹھائی تقسیم کرتے تھے۔ ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا میٹھائی حاصل کرنے کا کوئی بھی موقع چوک جائے، اس لیے بھی ہم نے اس درخت کو اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا۔

میں کھیلنے میں مصروف تھا ۔ میرا دوست، رشید جو ساتویں جماعت کا طالب علم تھا اور مجھ سے ایک درجہ آگے تھا، دور سے مجھے آواز دیتے ہوئے میری جانب آرہا تھا۔ اس نے میرے قریب آکر کہا ”خالہ نے تجھے بلایا ہے اور جلد سے جلد آنے کو کہا ہے، بازار سے کچھ لانا ہے۔“

خالہ ایک عمر رسیدہ وظیفہ یاب معلمہ تھیں، ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، شوہر کا انتقال ہوچکا تھا اور ایک چھوٹے سے کرایہ کے کمرہ میں مسجد سے کچھ فاصلہ پر تنہا رہا کرتی تھیں۔ خالہ کی طبیعت اکثر خراب رہا کرتی تھی اور اُن دنوں تو وہ کچھ زیادہ ہی بیمارتھیں۔ اکثر و بیشتر کسی بھی کام کیلئے وہ مجھے بلاتیں اور بطور اجرت مجھے ایک یا دو روپئے دیا کرتی تھیں۔

جیسے ہی میں خالہ کے مکان پہنچا میں نے دیکھا کہ وہ میر ے انتظار میں دروازے پر برقعہ پہنے کھڑی تھیں تاکہ اگر میرے آنے میں دیر ہوجائے یا میں نہ آوں تو وہ خود بازار جاسکیں ۔ میں نے خالہ سے پوچھا۔''بازار سے کیا لانا ہے،خالہ؟''

خالہ نے ساٹھ روپئے دیتے ہوئے کہا''بازار جاکر ایک چٹائی لانا ہے''۔ اور دو روپئے مزید دیتے ہوئے بولیں ''ایک روپیہ سائیکل کے کرایہ کیلئے اور ایک روپیہ تیرے لیے۔''

میں بہت خوش ہوا کہ آج مجھے بچکانی سائیکل چلانے کا موقع ملے گا۔ فوری روپئے لیتے ہی گلیوں میں سے بھاگتے ہوئے میں سجّاد سائیکل ٹیکسی کی جانب گیا اور دو گھنٹہ کیلئے میری پسندیدہ سرخ رنگ کی بچکانی سائیکل کرایہ پر لیکر بازار کی جانب روانہ ہوگیا۔

میں بازار جاکر مختلف دوکانوں پر چٹائی کی قیمت دریافت کرنے لگا۔سبھی دوکانداروں نے چٹائی کی قیمت ایک سو روپئے سے ایک سوبیس روپئے کے درمیان بتلائی۔ میں نے تقریباً پندرہ دوکانوں پر چٹائی کی قیمت معلوم کی۔ کوئی بھی دوکاندار ایک سو روپئے سے کم قیمت پر چٹائی فروخت کرنے پر راضی نہ تھا۔ ان تمام دوکانوں پر جانے اور قیمت معلوم کرنے میں تقریباًتین گھنٹے صرف ہو گئے۔ وقت گزرتا جارہا تھا اور سائیکل کا کرایہ بھی بڑھ رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ تمام کوششیں بیکار ہیں لہذا واپس جانا ہی مناسب ہوگا۔ واپس ہوتے ہوئے دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ خالہ خالی ہاتھ جانے پر ضرور غصہ ہوں گیں اور سائیکل کا مقررہ وقت بھی بڑھ گیا تھا لہذا میں جلدی جلدی گھبراہٹ میں سائیکل چلا رہا تھا تاکہ کرایہ کم ادا کرسکوں۔

خالہ کے گھر جانے سے پہلے میں نے سوچا کہ درگاہ پر دیکھتے ہوئے چلوں کہ کیا میرے دوست ابھی تک وہاں کھیل رہے ہیں؟ میں نے انہیں وہاں نہیں پایا!میں نے دیکھا کہ درگاہ سے متصل مسجد کے صحن میں ایک جنازہ رکھا ہواہے اور تمام لوگ مسجد میں نماز عصر ادا کررہے تھے۔ نماز عصر کے بعد جنازہ کو تدفین کیلئے مسجد کے بائیں جانب موجود قبرستان میں لے جایا گیا ۔

میں بھی جلوس جنازہ میں شامل ہوکر سب کے ساتھ چلتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں جنازے کی تدفین ہوئی اور فاتحہ خوانی کے بعد لوگ واپس ہونا شروع ہوئے۔

اسی دوران میری نظر اچانک اس چٹائی پر پڑی جو مردہ کو ڈولے میں رکھنے سے پہلے رکھی جاتی ہے، جو ایک طرف کونے میں جھاڑی پر ڈال دی گئی تھی۔اس چٹائی کو دیکھتے ہی میری فکر جاتی رہی اور افسوس وغم، خوشی میں بدل گئے اور دل میں ایک خوشی کی لہر چل پڑی۔ میں بظاہر افسردہ چہرہ بنا کر لوگوں کے جانے کا انتظار کرتا رہا۔

آخرکار جب تمام لوگ وہاں سے چلے گئے تب میں نے فوری وہ چٹائی لے لی اور اسکو وضو خانہ کے پاس لے گیا اور اچھی طرح جھٹک کر صاف کیا۔ دل نہات ہی زور سے دھڑک رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے کہ کہیں کوئی دیکھ لے تو غضب ہو جائے گا۔بڑی ہمت سے چٹائی کو سائیکل کے کیریئر پر باندھ لیا اور خالہ کے گھر کی جانب چل پڑا ۔

چٹائی لیکر خالہ کے دروازے پر کھٹکھٹاتے ہوئے میں نے آواز دی۔ ''خالہ ،اجی خالہ۔''
خالہ نے اندر سے آواز دی'' کون ہے رے باوا؟'' میں نے اپنا نام بتلایا اور خالہ نے دروازہ کھولا۔

ہاتھ میں چٹائی لیے میں دروازہ پر کھڑا تھا۔ گھبراتے ہوئے میں نے خالہ کے ہاتھ میں چٹائی تھمادی۔ خالہ نے اس کو کھول کر دیکھا اور ہرطرح سے بغور جائزہ لینے کی کوشش کررہی تھیں اورمیں ڈررہا تھا کہ کہیں راز فاش نہ ہوجائے۔ میں نے اپنے جیب سے بیس روپئے کی نوٹ نکال کر خالہ کے آگے بڑھایا تاکہ ان کو روپیوں کی جانب متوجہ کرسکوں۔ یہ ترکیب کام کرگئی۔ خالہ نے بیس روپئے لیتے ہوئے کہا ''چٹائی تو ٹھیک ہے''۔

پھر خالہ نے مجھ سے کہا ''کچھ دیر ٹھہر میں تھیلی لاتی ہوں۔ دوکان سے گوشت اور ترکاری بھی لانا ہے۔'' میں خالہ کی دی ہوئی تھیلی لیکر گوشت اور ترکاری لانے کیلئے قریب میں واقع دکانوں پرگیا۔ اس کام کیلئے مجھے تقریباً پاؤ گھنٹہ لگا۔ وہاں سے خریداری کے بعد سیدھے میں خالہ کے مکان پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ جواب کے نہ ملنے پر میرے دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے کہ کہیں خالہ چل بسی نہ ہوں۔ گھبراہٹ کا عالم تھا اور میرے پسینے چھوٹ رہے تھے، میں نے دروازہ پھر سے کھٹکھٹایا اور ساتھ ہی ساتھ بلند آواز میں کہا ''خالہ،اجی خالہ'' اور دس منٹ تک اسی طرح دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔

اندر سے خالہ کا جواب نہیں آرہا تھا، مجھے یقین ہوگیا تھا کہ خالہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ میرے دل میں خیال یہ آیا کہ خالہ کے موت کی وجہ صرف اور صرف وہ مردہ کی چٹائی ہے۔ اس مردہ کی بدروح نے خالہ کو اس چٹائی پر شاید آرام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کو مار ڈالا ہوگا۔

میں یکے بعد دیگر اسی طرح کے خیالات میں غرق ہوتا چلاجارہاتھا اور اپنے آپ پر نادم ہو رہا تھا، کہ خالہ کی موت کی وجہ میں ہی ہوں اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اگر میں انہیں وہ مردہ کی چٹائی نہ لاکر دیتا اور نہ وہ اس چٹائی پر آرام کرتیں اور نہ ہی مردہ کی بدروح خالہ کو مار ڈالتی۔ میں سوچتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا لیکن کسی سے یہ سارا واقعہ کہنے کی جرعت نہیں کرسکا۔

کچھ دیر بعد، خالہ کے انتقال کی خبر لیکر میں مسجد پہنچا تاکہ تمام مصلیوں تک خالہ کے انتقال کی اطلاع پہنچاسکوں۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی میں نے موذن صاحب کی تلاش شروع کی۔

موذن صاحب نہایت ہی خوش مزاج اور بچوں سے بہت لگاؤ رکھنے والے شخص تھے جو ہمارے محلہ کی چھوٹی سی مسجد میں عرصہ دراز سے بیک وقت موذن اور امام کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے مگر محلہ کے تمام لوگ انہیں صرف موذن صاحب ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

میں اکثر و بیشتر مسجد کی صفائی، جھاڑوجھٹکا، وضوخانے میں پانی بھرنے، وضوخانہ کی صفائی وغیرہ میں موذن صاحب کا بھرپور تعاون کرتا اور مسجد میں شرارت کرنے والے بچوں کو ڈانٹ کر خاموش بٹھاتا تھا۔ لہذا موذن صاحب مجھے تمام بچوں سے الگ، ذہین اور کارگر لڑکا تصور کرتے اور مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔

وہ مسجد کے صحن میں کھڑے مغرب کی اذاں کا انتظار کررہے تھے، انکی نگاہیں وقفہ وقفہ سے گھڑی پر جاتی تھی تاکہ اذان دے سکیں۔

موذن صاحب کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی میں انھیں سلام کرتا ہوا انکے قریب گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو تھمتے نہ تھے، انھیں دیکھ کر موذن صاحب بھی پریشاں ہوگئے اور پوچھنے لگے ”کیا ہوا، کیوں رو رہے ہو؟سب ٹھیک تو ہے!“ ایک تا دومنٹ میں روتا ہی رہا، سارا واقعہ کہنا چاہتا تھا پرگھبراہٹ اتنی طاری تھی کہ کچھ کہہ نہیں پایا۔ بارہا موذن صاحب کے پوچھنے پر میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے بتلادیا کہ”خالہ کا انتقال ہوگیاہے۔“

یہ خبر سننا تھا کہ موذن صاحب بھی غمزدہ ہوگئے۔ تھوڑی سی دیر تک تو وہ خاموش رہے پھر مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگے۔ ”بہت عرصہ سے وہ شدید بیمار بھی تھیں، سب اللہ کی مرضی ہے، جس کو چاہتا ہے بلا لیتا ہے۔ یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے۔ آج وہ گئی ہیں کل ہم سب کو بھی یہاں سے جانا ہے، ہم کیا کرسکتے ہیں؟ مرحومہ کیلئے دعا کرو کہ اللہ انکی مغفرت فرمادے“۔ میں نے روتے ہوئے بڑے دکھ کے ساتھ کہا ”آمین۔“

اذان کا وقت ہوگیا تھا موذن صاحب نے اذان دی اور ساتھ ہی نماز مغرب پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد موذن صاحب نے دعا سے پہلے اعلان کردیا کہ ”ایک ضروری اعلان یہ ہے کہ خالہ کا انتقال ہوگیا ہے،بعد نماز سب ان کے مکان پر پہنچیں۔“ پھر اس کے بعد دعا ہوئی جس میں خالہ کی مغفرت کیلئے بھی مخصوص دعا کی گئی۔

نماز کے بعد یہ خبر سارے محلہ میں پھیل گئی۔ میں نے دیکھا کہ چند لوگ خالہ کے مکان کے قریب جمع تھے اور خالہ ان سے غصہ میں بات کررہی تھیں”یہ جھوٹی خبر کس نے پھیلائی کہ میرا انتقال ہوگیا ہے۔“ وہاں موجود لوگوں نے بتلایا کہ موذن صاحب نے مسجد میں اعلان کیا ہے کہ آپ کا انتقال ہوگیا ہے۔

خالہ نے موذن صاحب کو بلواکر خوب غصہ کیا اور موذن صاحب نے سب کے سامنے میرا نام بتلادیا۔ میں دور سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اور میں نے فوری وہاں سے فرار کو غنیمت جانا ۔ لیکن اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوا کیونکہ یہ خبر نہ صرف ہمارے محلہ میں بلکہ اطراف واکناف کے محلوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔

میرے والدین کو بھی معلوم ہوچکا تھا اور محلہ کے لوگ مجھ سے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ کوئی مجھے ابلیس کہہ کر پکارتا تو کوئی کچھ اور۔ میں تقریبا ایک ہفتہ گھر میں ہی رہا گھر سے باہر جاتا تو لوگ ستاتے، طعنے کستے اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔ میں نے اس دن سے مسجد کو جانا بھی بند کردیا اور پندرہ دن تک مسجد کا رخ نہیں کیا۔ نماز کیلئے جانا ہوتا تو کہیں دور کی کسی مسجد کی جانب چلا جاتا تھا کیونکہ موذن صاحب سے میں بہت شرمندہ تھاکہ میری وجہ سے انہیں خالہ اور دیگر لوگوں کی کڑوی باتیں برداشت کرنی پڑیں۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد میرے دوست میرے گھر پر آئے اور مجھے اطلاع دی کہ موذن صاحب نے مجھے بلایا ہے۔ میں عجیب کشمکش میں تھا کہ اگر جاؤں گا تو ضرور غصہ برداشت کرنا پڑے گا اور نہ جاؤں گا تو یہ بداخلاقی ہوگی۔ اس طرح ہمت کرکے میں مسجد پہنچا، موذن صاحب مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، میں خاموشی سے ان کے بازو جاکر ٹھہر گیا۔

موذن صاحب نے مجھے اٹھتے ہوئے سلام کیا ''اسلام علیکم'' اور سرپر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے''غلطی تو سب سے ہوتی ہے۔ اگر غلطی تمہارے سے ہوئی ہے،تو غلطی میرے سے بھی ہوئی ہے کہ میں نے اطلاع کی تصدیق کیے بغیر اعلان کیا۔ خیر سب باتوں کو بھول جاو۔'' پھر موذن صاحب نے وہاں موجود تمام بچوں کو تاکید کی کہ مجھے کوئی نہ چڑائے۔ موذن صاحب کی یہ باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے مجھے معاف کردیا۔

اَب کیا تھا؟ پھر سے وہ سہانے دن لوٹ آئے تھے، وہی املی کے درخت کی گھنی چھاؤں، دوستوں کا ساتھ اور میٹھائی۔ بس مزے ہی مزے تھے۔میں پھر سے سب بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہوگیا۔

اس کے بعد خالہ نے مجھے پھر کبھی نہیں بلایا اور میں نے بھی ڈر کے مارے ان کے پاس جانے کی کبھی ہمت نہیں کی۔ لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ خالہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بند ہو چکی تھی۔کچھ عرصہ کے بعد خالہ نے بھی وہ مکان تبدیل کر دیا تھا،مجھے نہیں معلوم تھاکے وہ اب کہاں رہ رہی ہیں۔

عیدالفطر کے دن میں نے کسی طرح سے خالہ کے نئے مکان کا پتہ معلوم کرلیا۔ اپنے آپ کو گالیاں کھانے کیلئے آمادہ کیا اور خالہ سے ملنے اور معافی مانگنے کیلئے چل پڑا۔ خالہ کے مکان پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے میں نے آواز دی۔ ”خالہ، خالہ۔“

خالہ نے اندر سے آواز دی ”کون ہے؟“ میں نے اپنا نام بتلایا، خالہ نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔ میں نے خالہ کو عید کی مبارکباد دی اور معافی مانگنے لگا۔ خالہ نے کہا ”ارے، وہ سب جانے دے۔ میں معاف کردی، اندر آ“ اور خالہ نے وہی چٹائی فرش پر بچھاتے ہوئے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ اس چٹائی کو دیکھتے ہی میں نے کہا کہ مجھے جلدی جاناہے، پھر آؤں گا۔ لیکن خالہ شیرخورمہ لے آئیں، ٹھہر کر ہی میں نے شیرخورمہ پیا اور رخصتی کے وقت خالہ نے مجھے پانچ روپیے عیدی بھی دی۔

میں نے واپس آکر رشید کو خالہ کے نئے گھر کا پتہ بتا دیا اور اس کو بھی عیدی حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔وہ بھی خالہ کے پاس عید کی مبارکباد دینے گیا اور دو روپیے عیدی لیکر واپس آیا۔ ہم دونوں نے ان دو روپیوں میں سے ایک روپیے کی مونگ پھلی کی چکی خریدی اور مزے سے کھانے لگے۔ چکی کھا تے ہوئے مجھے یہ خیال آیاکہ اَب خالہ کا مزاج نہایت ہی خوش ہے، کیوں نہ میں چٹائی کے بارے میں بھی بتا دوں؟۔لیکن پھر خیال آیا کہ خالہ کا غصہ تو ان کے’مرنے کی خبر‘سے تھا نہ کہ ’چٹائی‘ سے اور اِمکان بھی تھا کہ خالہ پھر سے غصہ ہو جاتیں۔جو میں نہیں چاہتا تھا۔ میں نے فوری اس خیال اور واقعہ کواسی وقت بھلا دیا، اور ایسا بھلا دیا کہ خالہ جیتے جی چٹائی کے راز سے کبھی واقف نہیں ہوسکیں۔

نانی، تم روز خط لکھنا

ڈو. سرسوتی

آرٹ

مہیش بلیگا

ترجمہ

اسماء رشید

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم. اے. معید

eklavya

Anveshi

پتہ:

چی. سو. گنگامّاں
نمبر ۵۵، دوسری گلی
ویالکوّل پولیس اسٹیشن کے پیچھے
ویالکوّل،بنگلور۔ ۵۶۰۰۰۳

چی. سو. گنگاامّاں کو اپنی امّاں کی طرف سے ڈھیر ساری دعائیں۔

اگلے منگل کو کلگتمّاں کی جاترا ہے۔ پیرکوشٹل ٹرین سے اپنے شوہر اور بچّوں کے ساتھ یہاں پہنچ جانا۔ میں نے تمہاری بڑی آپا، چھوٹی آپا اور پاپی کو بھی خط لکھا ہے۔ تم چھوٹی آپا، پاپی اور اُن کے گھر والوں کے ساتھ آجانا۔ بڑی آپا کادنہلی سے سیدھے ہی پہنچ جائے گی۔ میں اتوار کو منڈی سے دیسی مرغی اور کٹھل خرید لوں گی۔ تم صرف تیز سامبر مسالہ لیتے آنا۔

سب کو دعا
لکشمّاں

پتہ:
سری متی لکشمّاں
ہریجن بستی (کیلا گٹّی)
ڈنڈیناشیبارا، ترووکیرے تعلقہ
ٹمکور ضلع

اماّں لکشمّاں کو آپ کی بیٹی گنگمّاں کا نمسکار۔

آپ کا خط ملا۔ میرے گھر والے، چھوٹی آپا اور پاپی، پیر کی صبح چھ بجے کی اراسی کیرے پیسنجر گاڑی سے روانہ ہوں گے۔ میں تیز والا سامبر مسالہ، کافی پاوڈر، تِل، گُڑ اور الائچی لے آؤں گی۔ سارا کام خود کرکے اپنے آپ کو ہلکان مت کرلینا۔ ہم دس بجے تک پہنچ جائیں گے۔ پھر جیااماّں، چھوٹی آپا اور میں مل کر سب کام کرلیں گے۔ صرف کھوپرا گھس کر تیار رکھنا۔منڈی سے پچھڑنے کے لیے دو سوپ اور پیسنے کے لیے ایک اوکھلی خرید لینا۔

فقط
گنگامّاں ڈی. ایل.

ڈانڈیناشیبارا اور بنگلورو کے بیچ اِدھر سے اُدھر خطوں کے آنے جانے پر بچّوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ہر سال وناماّں کی جاترا اور 'بڑوں کی عید' پر نانی کے گھر جانا تو لازم تھا۔ اور تین سال میں ایک بار آنے والے کلگتماّں کی جاترا پر بھی۔ ریل گاڑی سے جانے کی بات پر بچّوں کے جوش وخروش کے کئی وجوہات تھے۔ نانی کا لاڈ پیار، آم، تازہ ناریل، کٹھل، میلے میں ملنے والے مُرمُرے، نمکین تلی ہوئی چیزیں، پیپرمنٹ، مرغی کا سالن، انڈے، آنگن میں لگا جھولا، کھیل کود، کہانیاں....

نانی کے گھر جانے کے نام پر ہی بچّے جھٹ پٹ سامان باندھ کر سفر کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

لکشمّاں جی کے چار بچے تھے۔ بڑی آپا (وینکٹا لکشمی)، چھوٹی آپا (لکشمی نرسماں)، پاپا (نرسمہیّا) اور گنگا۔ بڑی آپا کادنہلی گاؤں میں رہتی تھیں اور باقی تین بنگلورو شہر میں ایک دوسرے کے آس پاس رہتے تھے۔ نانی کے دو درجن اور ایک ناتِن تھے۔ لاٹکا، بھاگیاَّکا، کملَّکا، راجہ، موکی، بھیم انّا، چندرا، گنیشا، منجا، رنگا، کودنڈا، رَوِی، تُلسی، سَرسِی، گنگی، پریمی، بڑی پاپی، چھوٹی پاپی، ہریشا، شوبھا، شیو، دھارا، بابو، اشوی....

اگر وہ بنگلورو میں ویالکوّل سے ملیشورم اسٹیشن جاکر صبح چھ بجے کی اراسی کیرے پیسنجر گاڑی سے روانہ ہوں تو وہ دس بجے تک امّاسُندرا اسٹیشن پہنچ جائیں گے۔ ڈنڈیناشیبارا گاؤں اُس کے بغل میں ہی تھا۔ کسی زمانے میں فوج کی ایک پلٹن نے یہاں ڈیرا یعنی شِبارا ڈالا تھا۔ تبھی سے اِس جگہ کا نام 'ڈنڈیناشیبارا' پڑگیا۔ کبھی کبھار لوگوں کے منہ سے 'ڈنڈی سورا' بھی نکل جاتاہے۔

پیسنجر گاڑی کی رفتار بچّوں کی پرجوش توانائی کے باکل برعکس تھی۔ یہ گاڑی ہر اسٹیشن پر رُکتی تھی۔ گولالی، بناوارا، ڈوڈابیلی، ایرےہلّی، کیاٹ سندرا، تماکورو، گبّی، سمپیگے کراس، امّاسندرا اسٹیشن۔ بچّوں کو سارے نام زبانی یاد تھے۔ گاڑی جیسے ہی سمپیگے کراس پہنچتی، بچّے بے چین ہونے لگتے۔جب ٹرین ڈائمنڈسیمنٹ فیکٹری کو پارکرتی—جو اپنے آتش دان سے موٹی راکھ اُگلتی رہتی ہے—بچّے اسٹیشن پر سب سے پہلے نانی کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گر پڑتے۔ وہ ہمیشہ جلدی آکر اُن کا انتظار کرتی تھی۔ نانی ہر بچّے کو گاڑی سے خود نیچے اُتارتی، پیار سے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرتی، گلے لگاتی اور جب وہ واپس ہوتے اُسی طرح اُنھیں نم آنکھوں سے الوداع بھی کرتی ۔

نانی ہمیشہ کی طرح انتظار میں کھڑی تھی اور انھیں دیکھتے ہی سارے بچّے چلا اُٹھے، "نانی، نانی، ہم یہاں ہیں!، ہم یہاں ہیں!" موٹے شیشوں کی عینک پہنے نانی کو ہمیشہ بچّوں کی آواز پہلے سُنائی دیتی اور پھربچّے نظرآتے۔ اُن کا چہرہ فوراً ایک بڑی مسکراہٹ سے کِھل اُٹھتا۔ جب سب لوگ گلے مل لیتے تو بچّے باہر کھڑی بیل گاڑی کی طرف بھاگتے۔ چونکہ نانی کا گھر دو میل دور تھا اور درجن بھربچّے تھے، وہ ہر بار بیل گاڑی کا انتظام کرتی تھی۔بچّوں کو اس سواری میں بڑا مزہ آتا۔ بچّوں کا جس چیز پہ دل آجاتا، گنگوّا اُس پر ایک نظم یا کہانی بنا ڈالتی۔ اُس نے منجا اور اُس کی گاڑی پر بھی ایک گیت بنالیا تھا جو بچّوں کو بخوبی یاد تھا۔

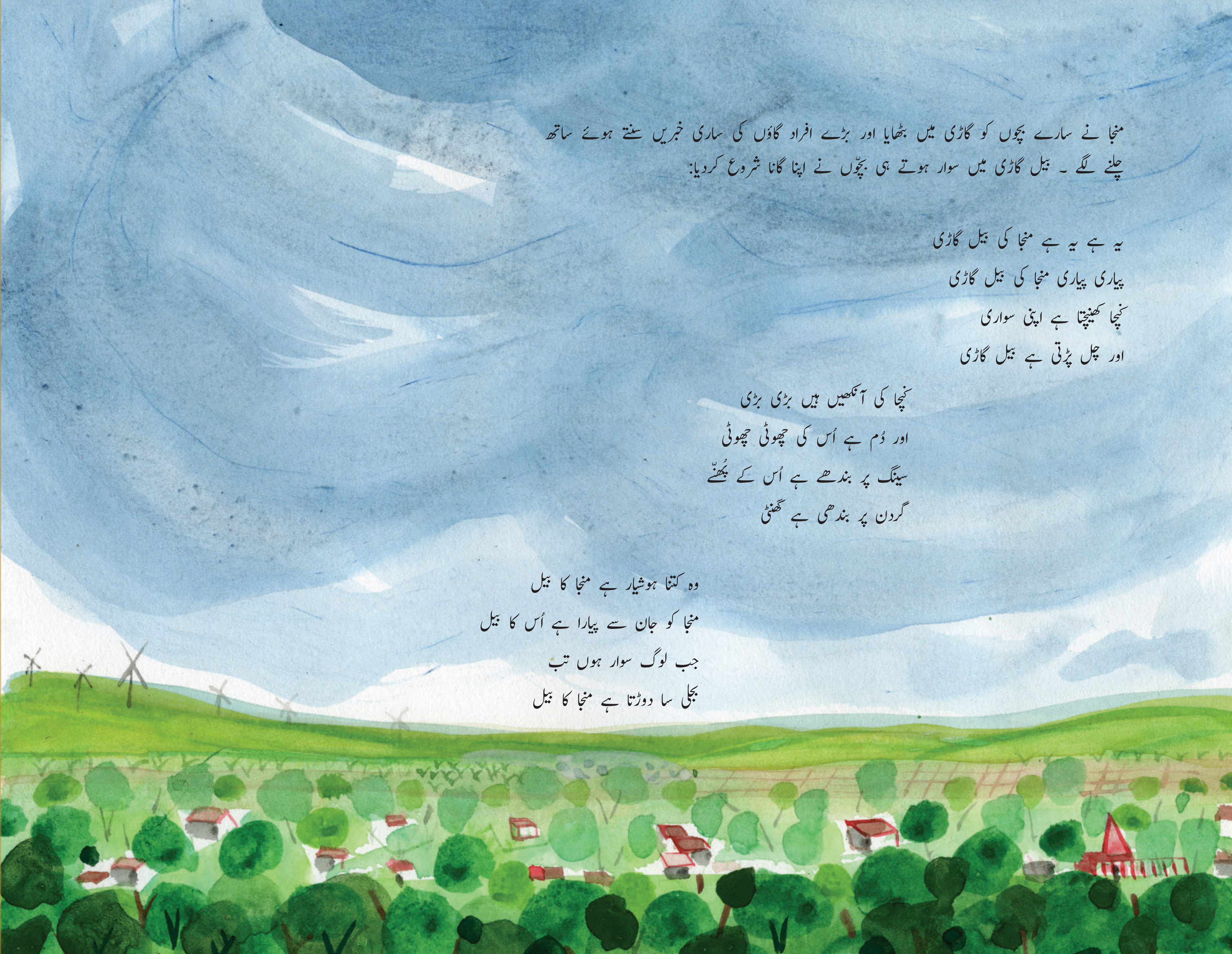

منجا نے سارے بچوں کو گاڑی میں بٹھایا اور بڑے افراد گاؤں کی ساری خبریں سنتے ہوئے ساتھ چلنے لگے ۔ بیل گاڑی میں سوار ہوتے ہی بچّوں نے اپنا گانا شروع کردیا:

یہ ہے یہ ہے منجا کی بیل گاڑی
پیاری پیاری منجا کی بیل گاڑی
کنچا کھینچتا ہے اپنی سواری
اور چل پڑتی ہے بیل گاڑی

کنچا کی آنکھیں ہیں بڑی بڑی
اور دُم ہے اُس کی چھوٹی چھوٹی
سینگ پر بندھے ہے اُس کے پُھنّے
گردن پر بندھی ہے گھنٹی

وہ کتنا ہوشیار ہے منجا کا بیل
منجا کو جان سے پیارا ہے اُس کا بیل
جب لوگ سوار ہوں تب
بجلی سا دوڑتا ہے منجا کا بیل

نانی کے گھر پہنچتے ہی سارے بچّے شور مچاتے ہوئے گھر کے پیچھے والے آنگن کی طرف دوڑ پڑتے۔وہ املی کے پیڑ پر بندھے جھولے پر چڑھ جاتے۔''ارے،سنبھال کر!''، ''آہستہ جاؤ۔'' بڑے چلاتے ہی رہ جاتے۔

''میں نے دال بھاجی اورچاول بنائے ہیں اور بچّوں کے لیے انڈے اُبالے ہیں۔ صرف راگی مُدّے یعنی گولے بنانے ہیں۔'' نانی نے سُنایا۔ بڑی آپا راگی مدّے بنانے میں لگ گئی۔ نانی اور چھوٹی آپا دھاک کے پتّوں کو جوڑ کر پلیٹ اور کٹوریاں بنانے کا کام کرنے لگیں۔ ناریل کے پتوں کی درمیانی نس سے وہ دھاک کے پتّوں کی سلائی کررہے تھے۔گنگوّا کھانا لگا کر بچوں کو آواز دینے لگی،''نانی نے بھاجی کی دال بنائی ہے اور اُبلے ہوئے انڈے بھی۔ جلدی سے ہاتھ مُنہ دھوکر آجاؤ۔''

انڈوں کا ذکر سنتے ہی بچّے سب کچھ چھوڑ کر ہاتھ پیر دھونے بھاگے اورجلدی جلدی دھاک کے پتّوں والی پلیٹ کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔نانی کے ہاتھ کے بنائے انڈوں میں ایک خاص مزہ تھا۔پہلے وہ اُنھیں گیلی مٹّی یا گائے کے گوبر سے لیپ دیتی تھی اور پھر گرم کوئلوں پرسیکنے کے لیے چھوڑ دیتی۔ جب پکوان ختم ہوجاتا اور چولہے کی آگ بجھادی جاتی، تو انڈوں کو نکال کر نانی اُن کو چھیلتی۔ گرم گرم انڈوں میں ایک مخصوص خوشبو اور ذائقہ ہوتا اور یہ صرف بچّوں کو ہی ملتے۔ دراصل، مرغیوں کو چُھپ چُھپ کر دیکھنا اور جاسوسی کرنا کہ انڈے کہاں دئے ہیں، ہرممکن جگہ پر انڈے تلاش کرنا اور نانی کو لاکر دینا بچوں کا پسندیدہ کھیل تھا۔ جب دس بارہ انڈے جمع ہوجاتے تبھی نانی انھیں کوئلوں پر سیکتی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد نانی بچّوں کو لیکر میلہ دیکھنے چلی گئی۔ اُس وقت بڑی آپا، چھوٹی آپا اورگنگا مل کر رات میں آرتی کے لیے لڈّو بنانے لگے۔ بھونی ہوئی چنے کی دال، مونگ پھلّی، گُڑ، تِل، کھوپرا اور الائچی کو ملا کرخوب پیسا اور پھر لڈّو بنائے۔ لڈّو ایک تھال میں رکھ کر پان کے پتّے سے ڈھک دیا اور اوپر ایک دِیا رکھ دیا۔

آرٹ: کاتیاینی داش

ناریل کے پتّوں کی درمیانی نس میں کنیر کے پھولوں کو پروکر اُنھیں تھال میں ایک دائرے کی شکل میں سجایا۔ اُس سے دیئے کو ہوا کے جھونکوں سے آسرا مل رہاتھا اور تھال خوبصورت بھی معلوم ہورہی تھی۔ لڈّووں کے اطراف میں دہی چاول کے گولے بھی رکھے گئے۔ ہر بچّے کو کم از کم آدھا گولا تو ضرور ملنا چاہیئے۔

رات میں کھانا کھا کر سب کچھ صاف کرنے کے بعد کلگتمّاں کے مندر جانے کا وقت ہوگیا۔ گھر سے نکلتے نکلتے آدھی رات تو ہوہی جاتی۔ اگر بتّی، کافور، ناریل، کیلے، لڈّوؤں کی آرتی کی تھال اور مرغی کو احتیاط سے لے جاناپڑتا۔ تبھی کلگتمّاں کی پوجا شروع ہوتی۔ وہ گاؤں کے بچھڑوں، گائے، بیل، بکری اور لوگوں کو ہر درد اور بیماری سے محفوظ رکھنے والی دیوی تھی اور مسرّت و خوشحالی بھی بانٹتی تھی۔ سارے رسومات ختم کرکے، مرغی کاٹ کر گھر لوٹنے تک مرغے کے بانگ دینے کا وقت ہونے لگتا۔

دن بھر کی بھاگ دوڑ اور اُچھل کود کے بعد بھی بچوں کو نیند نہیں آتی۔ بستر میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے سرگوشیاں کرتے رہتے ، اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کرتے اور پھر قہقہے لگاکر ہنسنے لگتے۔

”آواز بند کرو ورنہ سب کو ایک ایک لگاؤں گی۔ آنکھ بند کرو اور فوراً سو جاو“ نانی نے ڈانٹا۔

تلسی نے آواز نکالی، ”نیند کہیں دور چھپ گئی ہے...اس لیے ہم سو نہیں پارہے ہیں۔“

کنکا نے کہا، ”چلو دیکھتے ہیں، کہیں دروازے کے پیچھے یا باورچی خانے کے چولہے میں تو نہیں۔“

گنگاوّا نے کہا۔ ”بدمعاش بچّو! مجھے پتہ ہے وہ نالائق کہاں ہے۔ تم سب چُپ چاپ لیٹے رہو، میں بُلاتی ہوں اُسے۔“

پریمی سے رہا نہ گیا۔ ”وہ کہاں ہے، خالہ؟“

گنگاوّا بولی، ”چاند پر، بادلوں کی گھنی کمبل اوڑھے چاندی کے پلنگ پر خراٹے لے رہی ہے۔“

بڑی پاپی پوچھنے لگی، ”تم اُسے کیسے بلاؤگی، خالہ؟“

گنگاوّا نے جواب دیا، ”میں کہوں گی کہ اے نِندیا رانی! یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔ اُٹھو، اِدھر آؤنا۔ جیسے وہ گھر کے پچھواڑے میں جھولا جھولتے ہیں، ہمارے بچّے تمھیں اُسی طرح جھلائیں گے۔ اُن کی آنکھوں کے اندر، پلکوں کی گرم چادر اوڑھ لینا... اِدھر آؤ۔“

چھوٹی پاپی چہک اُٹھی، ”وہ کیسے آئے گی؟“

گنگاوّا نے پوچھا، ”کیسے کا کیا مطلب؟“

چاندی کے پلنگ سے لپک کر
ایک پل کو رُکے بنا
تاروں کو چھلانگ کر
بادلوں کو چیرتے ہوئے
ہواوؤں میں سے اُڑ کر
پہاڑوں کو پار کر کے
ندیاں تیر کر
کھیتوں میں سے دوڑتے ہوئے
وہ امّا سندرا اسٹیشن پہنچ جائے گی
بمّن گلی سے گذر کر
ونّماں کے مندر پر سر جھکا کر
گئوڈا بستی پار کر کے
وہ کمہار کے گھر کے سامنے سے گذرے گی
اور ہماری کیلا گٹّی پہنچ جائے گی
لکشمّاں کے گھر میں داخل ہو کر
ہمارے پیارے پیارے بچّوں کی
بھاری بھاری آنکھوں میں سما جائے گی
بس! جلدی سے اپنی آنکھیں میچ لینا
اور پھر... نِندیا رانی خراٹے لینے لگے گی!

اور پھر چاروں طرف سنّاٹا چھا گیا۔ سنائی دے رہا تو صرف خراٹوں کا ‘سا، رے، گا، ما، پا۔’ جب صبح میں بچّے جاگے تو سارا گھر دیسی مرغی کے سالن کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

جیسے ہی وہ اسٹیشن پہنچے، اراسی کیرے پیسنجر گاڑی ‘چُھک چُھک’ کرتی داخل ہو رہی تھی۔ نانی نے اپنی نم آنکھوں سے ہر ایک کو گلے لگایا۔ ننھی سی گُڈمّی نے کہا، ”نانی، تم ہر روز خط لکھنا۔ ہم روز آئیں گے۔“

CHATAAI AUR NANI, TUM ROZ QAT LIKHNA چٹائی اور نانی، تم روز خط لکھنا

چٹائی

اصل کہانی (اُردو) : محمد مجیب الدین

آرٹ : کے. پی. ریجی

نانی، تم روز خط لکھنا

اصل کہانی (کنّڑ) : ڈو. سرسوتی

آرٹ : مہیش بلیگا

ترجمہ(انگریزی سے اُردو): اسماء رشید

ڈیزائن : کنک ششی

سیریز ایڈیٹر : دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز : اسماء رشید اور ایم.اے.معید

ڈفرنٹ ٹیلزٹیم : کے.للیتا، ڈی.وسنتہ، جیاشری کلاتل، اوما بروگھوبنڈا، سُکنیہ کنارلی اور سُوزی تھارو۔

Anveshi

ڈفرنٹ ٹیلز : پسماندہ ثقافتوں و علاقائی زبانوں کی کہانیاں انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز، حیدرآباد، کی ایک پہل۔

(c) انویشی: کہانی، آرٹ اور ڈیزائن

پہلا ایڈیشن: 2025 جنوری (1000 کاپیاں)

کاغذ: 100 جی ایس ایم میٹ آرٹ اور 220 جی ایس ایم پیپر بورڈ(کور)

978-93-48176-49-3 :ISBN

قیمت: 70.00 ₹

ناشر : ایکلویا فاؤنڈیشن
جمنا لال بجاج پریسر
جنکھیڈی، بھوپال - 462026 (مدھیہ پردیش)
books@eklavya.in / www.eklavya.in

انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز
2-2-18/2/A
دُرگا بائی دیش مکھ کالونی، حیدرآباد - 500007 (تلنگانہ)
anveshirc@gmail.com ; www.anveshi.org.in

پرنٹر : آر.کے.سیکیوپرنٹ پرائیویٹ لمیٹڈ، بھوپال، فون نمبر: 2687589 755 91+

List of titles

Urdu

Chataai Aur Nani, Tum Roz Qat Likhna
School Ki Ankahi Kahaniyan
Tareeq Ke Saaye
Ghade Mein Chand
Tataki Phir Jeet Gayi Aur Shabaash Badeyya
Boriwala
Sire Paye Ka Saalan
Ek Ladka Do Naam Aur Shaija Ki Khalai Duniya
Maa

English

Head Curry
Moon in the Pot
Mother
The Sackclothman
Spirits from History
Tataki Wins Again & Braveheart Badeyya
Untold School Stories
The Two Named Boy & Other Stories
The Mat And Write Every Day, Ajji!

These books have also been published in Telugu, Malayalam, Hindi and Kannada.

کیا ایک چھوٹا لڑکا جوپڑوس کی خالہ کے لیے چٹائی لایا تھااپنا راز چھپا سکتا ہے؟جب کہ اُس راز نے اِس قدر عجیب و غریب واقعات کو جنم دیا۔

— چٹائی

کلگتماّں کی جاترا منانے کے لیے نانی کے گھر جانا جوش و خروش کا باعث بنتا ہے۔ مزیدار کھانے، رسومات، نظمیں اور تفریح - آئیں بنگلورو سے ڈنڈشیبیرا کے اس سفر میں بچّوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

— نانی، تم روز خط لکھنا

چاہے وہ الفاظ میں ہو یا تصویروں میں، موجودہ بچّوں کا ادب متوسط طبقے کے بچّوں کی زندگی و دنیا کو نمایاں کرتا ہے۔ ''ڈفرنٹ ٹیلز'' کی کہانیاں بچّوں کے ادب کے اِس محدود دائرے سے نکل کر مختلف طبقات، ذات، مذہبی ثقافتوں اور جسمانی صلاحیتوں کے جانباز بچّوں سے ہماری ملاقات کرواتی ہیں۔ یہ کہانیاں نئے نظاروں، خوشبوؤں، آوازوں، خوشیوں اور غموں سے بھری ہیں اورایک مشترک و جامعہ ہندوستان کے لیے حقیقی دین ہیں۔

— سُوزی تھارو

اِسکالر، مصنفہ اور خواتین کی تحریک کی کارکن

Price: ₹70.00

Anveshi eklavya

9 789348 176493

DIFFERENT TALES

''ڈفرنٹ ٹیلز'' علاقائی زبانوں سے ایسی کہانیاں پیش کرتی ہیں جن کے بارے میں بچّوں کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی پڑھا جاتاہے۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مصنف کے اپنے بچپن کی تصاویر ہیں جو اکثر مختلف ثقافتی دنیا میں پرورش پانے، ساتھیوں، والدین اور دیگر بالغوں کے ساتھ نئے تعلقات تلاش کرنے کے الگ الگ طریقوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ ہمیں لذیذ پکوانوں، منفرد کھیلوں، اسکول میں غیر متوقع اسباق، خلوص اور دوستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے دلکش سفر پر لے جاتی ہیں۔